آپ ﷺ کا غیر مسلموں میں تبلیغ کا طریقہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ

نوٹ: یہ مقالہ ریسرچ آرٹیکل میں شمار نہیں ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو جو حقیقت میں ایک ہی پہلو کے دو جز ہیں یعنی اسلام کی تبلیغ اور اس تبلیغ کو قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ، آج ہم ان کے بارے میں بات کریں گے۔ یہ برتاؤ کچھ تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا آپ کے ذاتی طرز عمل پر مبنی ہوگا اور کچھ ان احکام پر مبنی ہوگا جو قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ میرے علم میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں ہے جو صرف اس موضوع پر لکھی گئی ہو، اس لئے میں کوشش کروں گا کہ تاریخی حیثیت سے دیکھوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا رہا اور کس طرح آپ اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ پھر اس کا جو ردعمل ہوا، اس سلسلے میں آپ کا برتاؤ کیا رہا؟ کس طرح آپ اس کا مقابلہ کرتے رہے اور تاریخی نقطۂ نظر سے اس کے کیا نتائج نکلے؟ ہمیں ایک خاص بات یہ نظر آئی کہ پہلے دن کی وحی میں تبلیغ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ پہلی وحی سے آپ سب لوگ واقف ہیں کہ وہ سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیتیں ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ کی امت کو یہ حکم دیا گیا۔ اس کے بعد ہمارے مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ تین سال تک ایک وقفہ رہا جس کے لئے فترہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس دوران کوئی نئی وحی نہیں آئی۔ لیکن دوسری وحی کے نہ آنے کے باوجود، یہ ایک عجیب وغریب بات ہے کہ تبلیغ کا کام شروع ہوگیا۔ ان پہلی آیتوں میں صاف طور پر تبلیغ کا حکم نہ ہونے کے باوجود عملاً اس کا آغاز ہو جاتا ہے۔

جب پہلی وحی نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے۔ میرے خیال

میں یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ مکہ میں سخت سردی پڑ رہی تھی۔ وحی کے فوراً بعد آپ ﷺ شہر واپس آ جاتے ہیں اور اپنے مکان میں پہنچ کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے ہیں:

زملونی زملونی!

مجھے کمبلوں سے ڈھانپو، مجھے کمبلوں سے ڈھانپو

ظاہر ہے بیوی نے ایسا کیا ہوگا۔ کچھ تو اس سردی کی شدت کے اثر سے اور کچھ اس وحشت کی وجہ سے جو جبرائیل کی آمد اور اُن واقعات کے مشاہدے کے باعث پیدا ہوئی، آپ کی حالت غیر تھی۔ جب ذرا سکون ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو سارا واقعہ سنانے کے بعد آخری بات یہ کہی کہ کیا یہ شیطان کی کارستانی تو نہیں ہے؟ میں کہیں کاہن تو نہیں ہو گیا ہوں حالانکہ میں ساری زندگی ان لوگوں کو، جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں برا کہتا رہا ہوں۔ آپ ﷺ کی بیوی تسلی دینے کے لئے کہتی ہیں کہ یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم زندگی بھر لوگوں کی مدد کرتے رہے ہو، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے رہے ہو۔ اس لئے خدا ایسے شخص کا ساتھ نہیں چھوڑے گا، یقیناً خدا تمہیں شیطان کے حوالے نہیں کرے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی بیوی نے ایک اور جملہ کہا کہ میرا چچا زاد بھائی ہے اس کا نام ورقہ بن نوفل ہے۔ وہ ان چیزوں سے بہت واقفیت رکھتا ہے کل صبح ہم اس کے پاس جائیں گے تم اس کو اپنا قصہ بیان کرنا وہ تمہیں اعتماد سے بتا سکے گا کہ یہ کیا چیز ہے۔

اس کے بعد دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعا عنہا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جاتی ہیں، جو عیسائی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق، اگلی صبح غالباً حسب عادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو یہ واقعہ سنایا، یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی وہ ابوبکر کو یہ واقعہ سنائیں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس بھیجا۔ ورقہ بن نوفل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ضعیف العمری کے باعث نابینا

ہو چکے تھے۔ یہ واقعہ سن کر اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو یہ ناموس موسیٰ علیہ السلام کے مماثل ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب تمہاری قوم تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے گی اور تمہیں اپنے شہر سے نکال دے گی اس وقت میں تمہارا ساتھ دوں گا، اور تمہاری مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کیا اس بات پر کہ میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں لوگ مجھ پر ظلم وستم کریں گے؟ اذیتیں دیں گے؟ اور مجھے اس ملک سے نکال دیں گے؟

تو ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں! کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو اُس کی امت نے تکلیف نہ دی ہو۔ یہاں ایک اور چیز بھی قابل ذکر ہے کہ ورقہ بن نوفل کا یہ بیان اپنے اندر اس بات کا قرینہ رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور اسلام قبول کیا۔ یہ بات صاف اور صریح الفاظ میں نہیں ملتی لیکن اس گفتگو کے پیش نظر ان امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کو قبول کر لیا کہ بے شک اللہ کا فرشتہ آپ ﷺ کے پاس، آپ ﷺ کو نبی مامور کرنے کے لئے آیا ہوگا۔

ناموس یا عزت: میں اب لفظ ناموس پر کچھ بحث کروں گا۔ عام طور پر اردو میں یہ لفظ عزت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سیاق وسباق میں یہ معنی نہیں لئے جا سکتے، ہمارے بعض مفسر یہ کہتے ہیں کہ ناموس کے معنی قابل اعتماد چیز کے ہوتے ہیں۔ یہ معنی بھی یہاں مناسب نظر نہیں آتے۔ میں شاید یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ جس سیاق وسباق میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں ایک اور معنی مراد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورقہ بن نوفل عیسائی ہو چکے تھے، اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ بخاری کی حدیثوں میں بھی ہے، کہ انہیں سریانی زبان آتی تھی اور سریانی سے عربی زبان میں انہوں نے انجیل کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ ان حالات میں کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ سریانی زبان میں موجود ایک یونانی لفظ ہو۔ اگر اس مفروضے کی بنا پر ہم غور

کریں تو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا جو پیغام نازل ہوا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے مشابہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ اس مفہوم میں زیادہ بھاتا ہے اور زیادہ مناسب و معقول لگتا ہے۔

ان ابتدائی واقعات کے بعد، بجز مفروضات کے، یہ کہنا مشکل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا؟ غالباً وہ بار بار مختلف لوگوں اور پوچھنے والوں کو اپنا واقعہ سناتے رہے ہوں گے کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے یوں کہا اور مجھے یوں کہا اور مجھے یہ بتایا۔ میں ایک چھوٹی سی بات کا تکملہ کرتا چلوں۔ پہلی وحی کے سلسلے میں بلاذری کی ''انساب الاشراف'' میں کچھ تفصیلیں اور بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیتوں کے ابلاغ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً استنجے کا طریقہ بتایا کہ اپنے جسم کو نجاست سے کس طرح پاک کریں؟ اس کے بعد وضو کا طریقہ بتایا کہ نماز کے لئے کس طرح اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور سے تیار کرنا چاہئے۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے امام بن کر نماز پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی بن کر اسی طرح نماز پڑھی۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔ ان حالات میں سیرت کی کتابوں میں یہ روایت پڑھ کر ہمیں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دنوں وقتاً فوقتاً کعبے کے سامنے اعلانیہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ نماز مکہ والوں کی عبادت سے ظاہر ہے مختلف تھی، جس کے باعث لوگ حیرت سے انہیں دیکھتے تھے۔

ابھی تک قرآن کریم کی وہ آیتیں نازل نہیں ہوئی تھیں جن میں بت پرستی کو برا بھلا کہا گیا تھا، اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کو جہنم میں جانے کا مستحق قرار دیا گیا تھا، لوگوں کو اس نئے دین کے متعلق استعجاب ضرور ہوتا ہوگا، لیکن ابھی ان میں کوئی عناد یا کوئی غصہ پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

بہر حال! ان دنوں دو تین مسلمان نظر آتے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد آپ کے چچازاد بھائی، جو آپ کے متبنی بیٹے بھی تھے، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، گویا اولین مسلمانوں کی جماعت ان پانچ سات آدمیوں پر مشتمل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسلام لانے کے بارے میں دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق چونکہ وہ بہت کم سن تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر خود بھی آپ ﷺ کی تقلید کرنے لگے۔ دوسری روایت جو غالباً کچھ عرصے بعد کی ہوگی، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کعبہ کے سامنے جا کر نہیں بلکہ شہر کے باہر صحرا میں یا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کئی مرتبہ دیکھا کہ یہ دونوں چھپ کر گھر سے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی ٹوہ میں پیچھا کرتے ہیں، جب دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی وہاں کھڑے رہتے ہیں۔ نماز کے اختتام پر پوچھتے ہیں کہ یہ کیا چیز تھی؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں اللہ کا نبی ہوں تو وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک تیسری روایت بھی ہے۔

ان اختلافی روایات کی وجہ سے یہ کہنا دشوار ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس زمانے میں اسلام قبول کیا۔ تیسری روایت، پہلی وحی نازل ہونے کے کم از کم تین سال بعد کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی تبلیغ کریں:

وانذر عشیرتک الاقربین O (۱)

اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ سے ڈراؤ۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدائی حکم کی تعمیل میں تبلیغ کا ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ بازار سے فلاں فلاں چیز خرید کر لاؤ اور بیوی سے کہا کہ ایک ضیافت کا اہتمام کرو۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا کہ خاندان کے سارے گھروں میں (چچاؤں اور چچاؤں کے بیٹوں کے پاس) جاؤ اور انہیں دعوت دو کہ فلاں دن اور فلاں وقت کھانے کے لئے میرے پاس آئیں۔ ان لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ کس غرض کے لئے بلایا گیا ہے۔ وہ آئے لیکن سب ایک وقت میں نہیں آئے اور پھر آخر تک بھی نہیں بیٹھے بلکہ الگ

الگ مختلف وقتوں میں اتے اور کھانا کھا کر جاتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آخری شخص کے کھانا کھا چکنے کے وقت سوائے اس آخری شخص کے کوئی اور آدمی موجود نہ تھا اس لئے اصل مقصد کہ خاندان کے لوگوں میں تبلیغ کریں پورا نہ ہوا۔

کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی تدبیر اختیار کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامان خرید کر لاتے ہیں اور خاندان والوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتیاطاً کہتے بھی جاتے ہیں کہ کھانے کے بعد میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، ٹھہرنا، انتظار کرنا۔

چنانچہ اب کی بار سب لوگ اس تجسس میں بیٹھے رہے کہ دیکھیں وہ کیا بات ہے جس کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے۔ کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مخاطب ہو کر بتاتے ہیں کہ بت پرستی کیوں بری ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا کیوں ضروری ہے؟ پھر اس کے نتائج یعنی آخرت کی زندگی اور خدا کے سامنے حساب و کتاب کا ذکر کیا۔ اس طرح کی چند بنیادی باتیں لوگوں کو بتائیں۔ اس سلسلے میں طبری کی روایت بہت دلچسپ ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ اس تبلیغ کا غالباً آخری جملہ یہ تھا کہ تم میں سے جو شخص میری دعوت کو قبول کرے گا، وہ میرا جانشین اور خلیفہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جو ابھی بچے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب قہقہہ مار کر ہنسا اور تالی بجا کر کہنے لگا، ابوطالب مبارک ہو، آج سے تم اپنے بیٹے کے ماتحت بن چکے ہو، اس سے ابوطالب کو خفت سی ہوئی اس لئے وہ ساری عمر اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کریں۔ اس بیان کا منشاء تبلیغ کا طریقہ بتانا تھا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیسے ایمان لائے یا وہ کب ایمان لائے؟ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔

اس وقت ہم صرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے۔ اس کے کچھ عرصے بعد دوسرے وحی نازل ہوتی ہے جس میں یہ حکم آتا ہے کہ

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين .(۲)

جس چیز کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہ کھول کر بیان کرو مشرکوں کی پروانہ کرو۔

اس حکم کے آنے پر رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرح کی دہشت محسوس کرتے ہیں کہ سارا شہر بت پرست ہے، اگر میں یہاں کے لوگوں کو برملا یہ کہوں کہ تمہارا دین غلط ہے اور تمہارے بت تمہارے لئے حفاظت اور نجات کا باعث نہیں بن سکتے، تو لوگ خفا ہوں گے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھر آ کر تشفی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نہیں چھوڑے گا، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرے گا۔ غرض کچھ اس طرح کی تفصیلیں ہمیں سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر پہاڑی کے دامن میں یا پہاڑی کے کسی بلند حصے پر، کھڑے ہو کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں، جیسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں، جو لوگ اس قبیلے کے نہیں تھے، وہ چلے گئے۔ پھر اس کی ایک شاخ کا ذکر کیا کہ میں صرف اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ غرض بجائے سارے شہر کے لوگوں کو خطاب کرنے کے اس کے ایک محدود حصے کو اُس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کیا۔ خطاب کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ اے بھائیو! اگر میں تم سے بیان کروں کہ اس پہاڑ کے پیچھے، دوسری طرف، ایک دشمن کی فوج آئی ہوئی ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات پر اعتماد کرو گے؟ ان کا جواب تھا کہ ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ اگر تم سنجیدگی سے کہتے ہو کہ واقعی کوئی دشمن اس طرف آیا ہوا ہے اور پڑاؤ ڈالے پڑا ہے تو ہم تمہاری بات پر یقین کریں گے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میں تم کو اس انسانی لشکر سے بھی بڑے ایک دوسرے لشکر سے ڈراتا ہوں، یہ اللہ کا قہر اور عذاب ہے۔ اگر تم اللہ کو ایک نہ مانو گے اور بتوں کی پرستش نہیں چھوڑو گے تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا۔ اس دن اور لوگوں کے علاوہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب بھی وہاں موجود تھا۔ ابولہب نے جل کر کہا، کیا اس فضول بات کے لئے تم نے ہمارا وقت

ضائع کیا اور وہ چلا گیا، دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے۔

اس وقت بے محل نہ ہوگا اگر میں یہ بیان کروں کہ ابولہب کو اپنے بھتیجے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کیوں تھی۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں اس کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن گھر میں دونوں بھائی یعنی ابولہب اور ابوطالب کسی بات پر لڑ پڑے۔ اولاً ابولہب نے اپنے بھائی کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر چڑھ کر طمانچے لگائے۔ اس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جوان دنوں دادا کی وفات کے بعد ابوطالب کی کفالت میں تھے، دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور ابولہب کو ابوطالب کے سینے سے دھکیل کر ہٹاتے ہیں۔ اس طرح ابوطالب کو اٹھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اب وہ ابولہب کو زمین پر پٹخ دیتے ہیں اور اس کے سینے پر چڑھ کر اپنا بدلہ لیتے ہیں۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ چاپ دیکھتے رہتے ہیں۔ ابولہب جل کر کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ابوطالب بھی تمہارا چچا ہے اور میں بھی تمہارا چچا ہوں۔ پہلے تو تم نے ابوطالب کی مدد کی لیکن اب میری مدد کے لئے کیوں نہیں آئے؟ خدا کی قسم! میرا دل تم سے کبھی محبت نہیں کرے گا۔ بلاذری کی انساب الاشراف میں یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ یہ نفسیاتی اصول ہے کہ جو لوگ جتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ اتنا ہی وہ چھوٹی سی چیز کا زیادہ اثر لیتے ہیں، اور اُن کے دلوں پر اس کا دیرپا اثر رہتا ہے، ممکن ہے یہی وجہ ہو جس کی بناء پر ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت پیدا ہوگئی اور کبھی اپنے بھتیجے کے دین پر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوا۔

چنانچہ اسے اسلام کے انتہائی شدید دشمنوں میں سے ایک قرار دے دیا گیا۔ ان ابتدائی کوششوں کے بعد یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں، اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین غلط اور لغو ہے۔ جن چیزوں کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

چنانچہ اُن کے خلاف نفرت شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور جلد ہی وہ نوبت آ گئی کہ شہر کی حکومت اور سر برآوردہ لوگوں نے بھی انہیں اس بات سے منع کر دیا کہ خانہ کعبہ کے سامنے آ کر اپنے طرز کی عبادت کریں۔ اس کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اپنے مکان میں نماز

پڑھتے یا گھر سے باہر کسی جنگل یا صحرا میں عبادت کیا کرتے۔ لیکن کافروں کی چھیڑ خانی میں کمی نہیں آئی۔ لوگ آپ کے پاس آتے، آپ سے بحث کرتے، آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے۔ ان میں آپ کا چچا ابولہب پیش پیش رہتا۔ اسے پتا چلا کہ جب سب لوگ سو جاتے ہیں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپتے چھپاتے خانہ کعبہ کے سامنے آتے ہیں اور وہاں اپنے طرز کی عبادت کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہ میں خاردار درختوں کی شاخیں لاکر ڈال دیتا اور مکان کی دہلیز پر گندگی اور غلاظت لاکر ڈالا کرتا تھا۔ یہ وہ رکاوٹیں تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغام پہنچانے میں دشواری ہوتی رہی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمت نہیں ہاری اور تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

ایک نئی مشکل سے آپ کو سامنا کرنا پڑا، وہ یہ کہ مکہ کے باشندے وقتاً فوقتاً گلی کے لونڈوں کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جائیں، اُن پر پتھر پھینکیں اور انہیں یہاں سے نکالیں۔ جب کبھی ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدتمیز لڑکے پیچھا کرتے تو مقریزی نے بیان کیا ہے کہ ایسے وقت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اتفاق سے ابوسفیان کے مکان کے قریب ہوتے تو ابوسفیان کے گھر میں چلے جاتے اور ابوسفیان مسلمان نہ ہونے کے باوجود اس قدر شرافت اور انسانیت کا مظاہرہ کرتا کہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا اور گلی کے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیتا۔

ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے اپنے گھر جاتے۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد مقریزی نے بہت بعد کے واقعہ کی طرف ایک چھوٹا سا اشارہ کیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو فتح کرتے ہیں تو ہمارے مؤلف لکھتے ہیں کہ فوج کے ہراول دستے یا مقدمۃ الجیش میں ایک منادی کرنے والا تھا جو گلیوں سے گزرتے وقت بآواز بلند، چلا چلا کر کہتا جاتا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں رہے گا۔ جو شخص اپنے گھر کے اندر بند رہے، باہر نہ نکلے، امن میں رہے گا۔ جو خانہ کعبہ میں چلا جائے گا وہ امن میں رہے گا، اور آخری چیز جس کی طرف اس وقت توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ کہ جو شخص ابوسفیان کے مکان میں جائے گا وہ بھی

اس میں رہے گا۔ مقریزی کہتے ہیں کہ یہ امتیاز اور خصوصیت اس واقعے کی بناء پر تھی کہ زمانہ قبل ہجرت جب کبھی مکہ کے شریر بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے اور آپ ﷺ ابوسفیان کے گھر جاتے تو ابوسفیان آپ ﷺ کو پناہ دیتا تھا۔ لہٰذا اس کے بدلے میں ابوسفیان کے مکان کو بھی پناہ گاہ قرار دے دیا گیا۔

اس تبلیغ کا سلسلہ کوئی چار پانچ سال جاری رہا۔ اس عرصے میں کفار کے ظلم وستم اور اذیتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت اس قدر خراب ہوگئی، کہ انہیں اپنے ملک میں رہنا دشوار ہوگیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر کچھ لوگ حبشہ چلے گئے۔ رخصت ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ وہاں ایک عیسائی بادشاہ نجاشی حکومت کرتا ہے جس کے ملک میں کوئی ظلم نہیں ہوتا۔ وہ لوگ حبشہ پہنچ گئے۔ اب چونکہ تبلیغ کی عام اجازت مل چکی تھی اس لئے یہ مسلمان (مکہ کے نومسلم مہاجر) حبشہ میں تبلیغ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں وہاں کافی تعداد میں یعنی کم ازکم چالیس پچاس حبشی مسلمان ہوگئے۔ لیکن اس سلسلے میں انہیں دشواریاں بھی پیش آئیں۔ جب مکے کے نومسلم ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تو مکے کے مشرکوں نے نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا۔ اس وفد نے جا کر یہ مطالبہ کیا کہ ان مسلمانوں کو ہمارے سپرد کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں واپس لے جا کر پھر تکلیفیں دیں اور ستائیں۔ نجاشی نے صرف مطالبے کی بنا پر فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ تم لوگوں کے متعلق الزام ہے کہ تم اپنے شہر میں فتنہ وفساد کرتے رہے ہو اور وہاں کی سزا سے بچنے کے لئے یہاں آ کر پناہ گزین ہوگئے ہو۔ تم لوگوں کا کیا جواب ہے؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر طیار جواب دیتے ہیں۔ قبل اس کے کہ میں اس کا ذکر کروں، ایک ذاتی استنباط آپ سے بیان کرتا ہوں جس کا ذکر ہمیں تاریخ میں نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات میں نجاشی کے نام ایک مکتوب ہمیں ایسا بھی ملتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ جب وہ پہنچے تو اس کا اور اس کے ساتھیوں کا استقبال کر، ان کے

ساتھ اچھا برتاؤ کر اور اس بارے میں ایسی ہٹ دھرمی اختیار نہ کر جو تیرے شایان شان نہ ہو۔ طبری میں یہ خط موجود ہے مگر اس میں یہ تفصیل نہیں ملتی کہ خط کب بھیجا گیا۔

سیاق وسباق سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ ۷ ہجری سے پہلے کا خط ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ ممکن نظر آتا ہے کہ یہ خط جعفر طیار کو بطور تعارف دیا گیا ہو، خط لے کر گئے ہوں اور نجاشی کو ۵ ہجری سے پہلے دیا ہو۔ کیونکہ ۷ ہجری میں مسلمان مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس جا رہے تھے۔ واپسی کے وقت پناہ طلبی کے لئے تعارفی خط بھیجنا فضول سی بات نظر آئے گی۔ اس لئے مؤرخوں کے سکوت کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ مہاجرین مکہ کی اولین جماعت جس وقت حبشہ گئی ہوگی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعارفی خط دیا ہوگا۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ تعارفی خط کیوں دیا ہوگا، اگرچہ میں اس کی وجوہات سے باخبر ہوں۔

بہرحال! مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرتے تھے اور مسلمان ہو جانے والے لوگ جہاں جہاں جاتے، اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق نئے دین کی تبلیغ شروع کر دیتے، جس سے متاثر ہو کر لوگ ایمان لے آتے۔ چنانچہ جعفر طیار کو جب نجاشی کے سامنے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقعہ ملا تو انہوں نے تفصیل سے بتایا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ یہ لوگ ہم پر کیوں یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم فتنہ وفساد کرتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں، بالخصوص سورۂ مریم کی، جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ہمارے مؤرخوں کا بیان ہے کہ یہ تفصیل سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ ان آیتوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اتنے (اس تنکے کے برابر) بھی زیادہ نہیں تھے۔ ہمیں مزید تفصیلیں نہیں ملتیں کہ آیا نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن کچھ اشارے ایسے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ اگر اس وقت نہیں تو بعد میں نجاشی ضرور مسلمان ہو گیا تھا۔ کیونکہ بخاری کی ایک روایت کے مطابق، جس دن نجاشی کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی ہے آپ ﷺ نے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر مسلم کے لئے نمازِ جنازہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ تو یہ گمان کرنا چاہئے

کہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھوائی تھی۔

تبلیغ کے سلسلے میں یہ چند ابتدائی باتیں ہمیں ملتی ہیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مشکل تر حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ جب حبشہ بھیجی ہوئی مشرکین مکہ کی جماعت اپنے مقصد میں ناکام ہوئی تو وہ لوگ بقیہ مسلمانوں کو زیادہ سختی سے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانے لگے اور باتوں کے علاوہ انہوں نے ایک قرارداد منظور کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے دوسرے لوگوں سے نہ کوئی شخص شادی بیاہ کے تعلقات رکھے، نہ ان کو بیٹی دے اور نہ ان سے رشتہ لے۔ نیز یہ بھی کہ نہ کوئی تجارتی چیز انہیں فروخت کرے، اور نہ ان کی دکان سے کوئی چیز خریدے، حتیٰ کہ اُن سے بات چیت بھی نہ کرے۔ یہ قرارداد انہوں نے لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکادی اور یہ عہد کیا کہ ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ یہ بائیکاٹ کئی سال تک جاری رہا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید بھی ہوئے۔ بہت سے مسلمانوں نے ایسی ایسی تکلیفیں اُٹھائیں کہ انہیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بالآخر وہ بائیکاٹ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر واپس آتے ہیں اور یہ دیکھ کر کہ اب شہر کے باشندوں سے بات چیت بھی ناممکن سی ہوگئی ہے اور لوگ اسلام کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں، ان کے ذہن میں تبلیغ کے لئے ایک نئی تدبیر آتی ہے۔ وہ یہ کہ اس شہر کو چھوڑیں کسی اور جگہ جا کر تبلیغ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر طائف کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہمارے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے، گویا ماموؤں کا علاقہ تھا۔ آپ بہت پُر اُمید ہو کر گئے لیکن وہاں مکے سے زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے آپ کی حوصلہ شکنی کی اور دھمکی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شہر چھوڑ کر چلے جائیں ورنہ آپ کی جان کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے تو لوگوں نے گلی کے شریر لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا، ان پر پتھر پھینکو اور انہیں ستاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو جاتے ہیں، شہر سے باہر آ کر ایک باغ دیکھتے ہیں، جس کے دروازے پر ایک دربان

مامور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت سے باغ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ دربان ایک نیک دل عیسائی تھا۔ اس نے ان شریر لڑکوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور اپنے مالک کی اجازت سے، جو مکے کا رہنے والا تھا اور اس وقت باغ میں موجود تھا، اس بے بس مہمان کی میزبانی کرنے لگا، کچھ پھل توڑ کر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کئے۔ اس وقت ایک واقعہ پیش آیا جسے شاید تبلیغ کا بالواسطہ طریقہ کہا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر انگور کے اُن دانوں کو کھانا شروع کیا۔ باغ کا مالی یا دربان حیرت سے پوچھنے لگا کہ تمہارے ملک میں یہ کیا طریقہ ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ میں نبی ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جو کام کروں اللہ کا نام لے کر شروع کروں، پھر آپ ﷺ نے دربان سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں۔ میرا وطن نینوا کا شہر ہے (اسے آج کل موصل کہتے ہیں مجھ پر) ایسی مصیبت آئی کہ گرفتار ہوا، بک گیا اور اب غلام کی صورت میں یہاں کام کر رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس شہر کے باشندے ہو جہاں میرا بھائی یونس علیہ السلام رہا کرتا تھا تو وہ عیسائی بے اختیار آپ ﷺ کے قدموں کو بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہاں یونس علیہ السلام نبی رہا کرتے تھے۔ کچھ اس طرح کی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے رخصت ہو کر مکے کی طرف لوٹے۔ تھوڑی دور جا کر آپ تھک کر ٹھہر جاتے ہیں۔ رات کا وقت ہے، آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نماز کے بعد دکھے ہوئے دل سے آپ ﷺ دعا کرتے ہیں جو آج بھی ہم پڑھیں تو دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کے الفاظ کم وبیش اس طرح ہیں کہ:

> اے اللہ! میں تیرے احکام کی تعمیل کرتا رہا ہوں، تجھ سے اس لئے دعا کرتا ہوں کہ تو مصیبت زدوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے۔ تو غریبوں کی مدد کرتا ہے اور تو لوگوں پر رحم کرتا ہے۔

اس طرح کے اور لفظوں کے بعد آپ ﷺ کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے کہ:

> ان ساری مصیبتوں اور ناکامیوں کے باوجود میں یہ سب برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور میں اپنے مشن کو جاری رکھوں گا، اگر تو مجھ سے خفا اور

ناراض نہیں ہے۔

یہ وہ عزم تھا جس کا انتہائی مصیبت کے وقت بھی اظہار ہوا۔ جی آپ ﷺ اپنے وطن، شہر مکہ سے دور تھے۔ شہر طائف، جہاں پناہ لینے گئے تھے وہاں ناکامی ہوئی ہے، کوئی یار و مددگار نہیں ہے، اس وقت بھی آپ کہتے ہیں کہ

اے اللہ! اگر ان مصیبتوں کا باعث تیری ناراضگی نہیں ہے تو اے اللہ! میں اس کام کو برابر جاری رکھوں گا۔ یہ ایک امتحان تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوتے ہیں۔

اس نماز سے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو ایک سورہ نازل ہوئی جس کے الفاظ ہیں کہ:

قل اوحی الیّ انه استمع نفر من الجن ...... (۳)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ جنوں کا ایک گروہ مجھے سن رہا ہے۔

اس سے میں تو یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کو دیکھا اور نہ ان کے وجود کو محسوس کیا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے اطلاع نہیں دی، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع بھی نہیں ملی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لئے بھی نبی تھے، اور جنات کے لئے بھی۔ اگر انسان آپ ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے ہیں تو کم از کم جنات کا ایک گروہ تو اسلام قبول کر رہا ہے۔ یہ روشنی کی پہلی کرن تھی۔ جو اس تاریکی اور مایوسی کے عالم میں آپ ﷺ کو دکھائی دیتی ہے۔

آپ ﷺ آہستہ آہستہ پیدل مکہ واپس جاتے ہیں۔ یہاں ایک نئی مصیبت آپ ﷺ کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ یہ کہ شہر مکہ چھوڑنے کے بعد آپ ﷺ کی قومیت ختم ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ اس وقت تک شہر مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ جب تک شہر مکہ کا کوئی باشندہ آپ ﷺ کو پناہ نہ دے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک بدوی شخص کو کچھ رقم دے کر بھیجتے ہیں کہ فلاں آدمی سے جا کر کہو کہ وہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ وہ جاتا ہے مگر واپس آ کر کہتا ہے کہ اس شخص نے انسار کر دیا ہے۔ اُسے

کچھ اور انعام دے کر ایک اور شخص کے پاس بھیجتے ہیں، وہ بھی انکار کرتا ہے۔ پھر ایک تیسرے شخص کے پاس بھیجتے ہیں وہ قبول کر لیتا ہے اور اپنے بچوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہتھیار بند ہو کر آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے کر مکے میں داخل ہوتا ہے۔

حسب رسم اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ کعبے کا طواف کریں اور پھر گھر جائیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الاعلان کعبے کا طواف کرتے ہیں اور اپنے گھر جاتے ہیں۔ یہاں میں یہ بیان کرتا چلوں کہ طائف کے اس سفر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ دسلم علیہ وسلم کے دو بڑے حامی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

(آپ ﷺ کے چچا ابوطالب اور آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اسی مایوسی کے عالم میں آپ ﷺ شہر چھوڑ کر طائف گئے تھے۔ اس شہر مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اجنبیوں کی طرح تھی جو مقامی باشندوں میں سے ایک کی پناہ میں رہتے تھے۔ جس سے میں یہ معنی اخذ کرتا ہوں کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں آزادی نہیں تھی کہ سیاست میں حصہ لیں، یعنی تبلیغ دین کی۔ اس کا حل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال لیا۔ وہ یہ کہ شہر مکہ کے رواج کے تحت لوگوں کو ہر سال حج کے زمانے میں ایک طرح کا امن عام مل جاتا تھا۔ چنانچہ جو لوگ مجرم اور قاتل ہوتے تھے اور سارا سال چھپے رہتے تھے وہ بھی حرام مہینے میں، یعنی حج کے زمانے میں، کھلم کھلا باہر نکل سکتے تھے اور آجا سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ شہر مکہ کے لوگ تو اسلام کے دشمن ہیں، ممکن ہے بیرونی قبائل یا غیر ملکوں سے آنے والے حاجی اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ حج کے زمانے میں باہر سے آنے والے قبائل میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ کافی جدوجہد کے بعد اس میں کچھ کامیابی ہوئی۔ ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم پندرہ قبائل میں گئے۔ ہر ایک کو مخاطب کر کے یہ کہتے رہے کہ تم اسلام قبول کرو، اس کی یہ خصوصیات ہیں۔ جلد ہی قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تمہارے قدموں پر نثار ہو جائیں گی۔ مگر کسی نے قبول نہیں کیا، سوا آخری سولھویں گروہ کے، جس میں صرف نصار کے چھ آدمی تھے۔ وہ یہ سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ گویا آنکھوں آنکھوں میں

مشورہ کرتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ ہم سب اسلام قبول کرتے ہیں۔

بات یہ تھی کہ شہر مدینہ میں بہت سے یہودی بستے تھے اور ہمارے مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی عربوں اور یہودیوں کا مدینے میں جھگڑا ہوتا تھا تو یہودی ان سے کہتے تھے، ذرا ٹھہر جاؤ، آج تو تم ہمیں مار رہے ہو لیکن جلد ہی آخری نبی آنے والا ہے، جب وہ آئے گا تو ہم اس کی اتباع کر کے تم کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں گے۔ تمہارے بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد، سب کو قتل کر دیں گے۔ ان مدینے والوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعی آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کیوں نہ یہودیوں سے پہلے اسلام قبول کر لیں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بزبانِ بے زبانی گفتگو کرتے ہیں۔ پھر سب لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا اسلام مخلصانہ تھا۔ چنانچہ مدینے پہنچ کر وہ سب لوگ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہوتی ہے۔ ایک سال بعد امن کے زمانے میں، یعنی حج کے مہینے میں، مدینے سے بارہ آدمی مکے آتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس بیعت کے بعد ہمیں چند مناظر ایسے نظر آتے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ آدمیوں کو، جو بارہ مختلف قبیلوں کے نمائندے تھے، اپنی طرف سے ان قبیلوں میں نائب یا سردار مامور کیا۔ اس میں ایک طرف تو ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں تنظیم تھی اور مسلمانوں میں ایک مرکزی نظام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نامزد کرتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کے ماتحت تھے۔ جو کسی کو نامزد کرتا ہے وہ اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ اس نامزدگی کے بعد وہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلم دیجئے جو اسلام سے ہمارے مقابلے میں زیادہ واقف ہو اور مدینے میں ہمیں دین بھی سکھائے اور تبلیغ بھی کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کیا جو بہت ہی

مخلص مسلمان تھے اور نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔ ان میں لوگوں کو اسلام پر آمادہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ انہیں بہت ہی شاندار کامیابیاں ہوئیں۔ بیسیوں لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ انتہائی اُجڈ لوگ بھی اسلام قبول کرتے گئے۔

اس بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک دن حضرت مصعب نے ایک باغ میں جا کر وہاں کی لونڈیوں غلاموں اور بچوں کے سامنے تبلیغ شروع کی۔ مالک کو یہ تماشا برا لگا۔ اس نے ایک آدمی کو بھیجا کہ اس کو ڈانٹ کر نکال دو کہ ہمارے باغ میں اس طرح بلا اجازت آ کر کیوں فساد کر رہا ہے؟ وہ شخص پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے بہانہ کیا اور جا کر مالک کو بتایا کہ میں نے اسے بہت ڈانٹا مگر وہ نہیں مانتا، تم خود جا کر اسے نکالو۔ اصل میں اس کا منشا یہ تھا کہ یہ مالک بھی اسلام کی باتیں سنے اور اس شخص کی زبان سے سنے۔ جو اپنی جادو بیانی اور طاقت لسانی سے ہر شخص کو اسلام کا گرویدہ بنالیتا ہے۔

چنانچہ وہ سردار بڑے طنطنے سے نیزہ ہلاتا ہوا آیا اور دھمکی دی کہ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرانے کے بجائے مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتا ہوں وہ یہ کہ یہ معلوم کیئے بغیر کہ میں کیا کہہ رہا تھا، تم مجھے یہاں سے کیوں نکالنا چاہتے ہو؟ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم پہلے سن لو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے، تم کہو گے تو میں چلا جاؤں گا۔ وہ اُجڈ شخص اپنے نیزے کو زمین میں گاڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ انہوں نے حسب عادت قرآن مجید کی ایک سورۂ کی تلاوت کی۔ تلاوت شروع ہوتے ہی اس کو سکون آ گیا۔ چہرے پر خشونت کی جگہ ایک نئے شعور کی روشنی بکھر گئی پھر قبل اس کے کہ سورہ کی تلاوت ختم ہوتی، وہ شخص اٹھا اور پوچھنے لگا کہ مجھے مسلمان ہونے کا طریقہ بتاؤ۔

چنانچہ وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی عادت کے مطابق سابقہ اُجڈ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے زور سے نیزہ ہلاتے ہوئے اپنے گھر کے اندر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ

آؤ سب میرے پاس آؤ، چنانچہ عورتیں، بچے اور غلام سب بھاگ کر اس کے پاس آتے ہیں۔ اس نے سب سے پوچھا کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں، تب اس نے کہا میرا حکم ہے کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ ورنہ تم مجھ سے زیادہ کسی کو اپنا دشمن نہ پاؤ گے۔ اس نیزے سے میں تم سب کو ایک ایک کر کے مار ڈالوں گا۔ اس طرح پورا خاندان مسلمان ہو جاتا ہے۔ جب سردار مسلمان ہو تو ظاہر ہے کہ سردار کے ماتحت لوگوں کا مسلمان ہو جانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمیں اسلام پھیلنے کے یہ مختلف طریقے نظر آتے ہیں۔

یہ چیزیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری زمانے تک ملتی ہیں۔ دو ایک مثالیں اور دے کر میں اس بیان کو ختم کر دوں گا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں ایک اجنبی مہمان آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھانے کو بھی دیتے ہیں اور رات گزارنے کے لئے کمرہ بھی دیتے ہیں۔ وہ شخص بدنیتی اور دشمنی کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ علی الصبح کمرے میں بستر پر غلاظت کر کے، قبل اس کے کہ لوگ بیدار ہوں، اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے اور غلاظت دیکھی تو اس کو دھویا، بستر کو پاک صاف کیا۔ پھر دیکھا کہ وہ شخص جاتے ہوئے اپنی تلوار وہیں بھول گیا ہے۔ کچھ دور جا کر اس اجنبی کو بھی تلوار یاد آئی اور آہستہ آہستہ واپس آیا کہ ابھی لوگ سو رہے ہوں گے، میں تلوار لے کر پھر واپس چلا جاؤں گا۔ مگر اس نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے ہیں، اپنے ہاتھ سے اس کے بستر کو صاف کر رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ڈانٹیں یا دھمکائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی تلوار بھول گئے تھے یہ تلوار رکھی ہے، لے لو۔

اس سلوک کے نتیجے میں وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

اشهد ان لااله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله

ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ ایک جنگ کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لے جاتے ہیں، فوج کی آمد کی خبر سن کر دشمن بھاگ جاتا ہے۔ دور تو نہیں بھاگتا، کیونکہ پہاڑی علاقہ تھا۔ پہاڑ پر چڑھ کر کسی درہ یا وادی میں چلا جاتا ہے۔ اس دشمن قبیلے کا سردار پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دور تک دیکھتا رہتا ہے کہ یہ فوج کیا کرتی ہے۔ اس دن بارش ہوئی، چنانچہ بارش کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ساتھی تتر بتر ہو گئے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے، اور اپنا کرتہ درخت کی شاخ سے لٹکا دیا تا کہ وہ خشک ہو جائے۔ دشمن جو اوپر سے تاک رہا تھا، دیکھتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا سوئے ہوئے ہیں۔ آتا ہے اور تلوار کھینچ کر چلا کر کہتا ہے (عربوں کا طریقہ تھا کہ سوئے ہوئے کو مارا نہیں جاتا تھا یہ Chivalry کے خلاف تھا):

اے محمد (ﷺ)! تجھے اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی سکون کے ساتھ کہتے ہیں: اللہ!

اس جواب سے اس پر اتنا رعب ہوا کہ ہاتھ میں تھرتھری پیدا ہوگئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ تلوار کو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اٹھا کر کہتے ہیں:

اور فرماتے ہیں اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟

وہ کہتا ہے:

کوئی نہیں۔

تو آپ ﷺ اس کو اس کی تلوار واپس کرتے ہیں کہ جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔۔۔ اس مرحمت پر اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب میں اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کروں گا۔ اسی طرح فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عام معافی کا اعلان کرتے ہیں تو اس کے ردعمل کے طور پر لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے ہیں اور راتوں رات سارا مکہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ تھے وہ طریقے جو تبلیغ اسلام کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائے جس کا نتیجہ ہمیں واضح نظر آتا ہے۔

اس سے پہلے کے انبیاء کی زندگی میں ان کے ہاتھوں پر ایمان قبول کرنے والوں کی تعداد کا ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے مقابلہ کریں تو یہاں بھی آپ ﷺ کو غیر معمولی فوقیت نظر آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس چالیس آدمی ایمان لائے ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی قوم بنی اسرائیل کے لوگ جن کی تعداد پانچ لاکھ تھی، ان کا ساتھ دے رہی تھی، لیکن ایک خودغرضی کے تحت تاکہ فرعون کے ظلم سے نجات پائیں۔ سچے دل سے ایمان لانے والوں کی تعداد تقریباً صفر تھی۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں فلسطین کا ملک دے گا، آگے بڑھو اور اس ملک پر قبضہ کرلو۔

تو انہوں نے کہا کہ ان جباروں سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمہارے خدا نے وعدہ کیا ہے تو تم اور تمہارا خدا دونوں فلسطین پر حملہ کرو اور قبضہ کرلو۔ پھر ہم آئیں گے اور اس ملک میں رہیں گے۔ دوسرے الفاظ میں ساری قوم کافر اور نافرمان ہو جاتی ہے۔ آپ کی بات قبول کرنے اور ایمان لانے سے انکار کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ صرف دو آدمی تھے، جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور دوسرے آپ کے خادم حضرت یوشع علیہ السلام جو بعد میں نبی بنے۔ ان دو کے سوا سارے بنی اسرائیل میں سے کسی نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ بہت ہی مخلص حواری تھے۔ ان میں سے سینٹ پیٹر کا آپ نے نام سنا ہوگا جن کی قبر (ویٹی کان) اٹلی میں ہے۔ ان کے متعلق انجیل ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ''جا او شیطان'' یہ ان کی کسی حرکت یا طرز عمل کی بنا پر کہا ہوگا۔ تفصیلات ہمیں معلوم نہیں۔ ایک اور حواری تھا جس کے متعلق تو صراحت ملتی ہے کہ اُس نے ارتداد اختیار کیا۔ پولیس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت تھی اور وہ انہیں تلاش کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غائب ہو گئے تھے۔ تو اس ساتھی نے جو

مرتد ہو گیا تھا، پولیس کی مخبری کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرا دیا۔ اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ صحیح اعداد و شمار تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ لیکن ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے ان کی تعداد کا ایک حد تک تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ حجۃ الوداع جو وفات سے تین مہینے پہلے کا واقعہ ہے، اس کے متعلق ہمارے مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس وقت میدان عرفات میں ایک لاکھ چالیس ہزار (۱،۴۰،۰۰۰) آدمی جمع ہو گئے تھے۔

اسلام میں حج کوئی ایسا فریضہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو ہر سال ادا کرنا پڑے۔ ظاہر ہے کہ جتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے، سب کے سب وہاں اس سال حج کے لئے نہیں آئے تھے۔ کچھ لوگ گھروں میں رہے، کچھ لوگ آئے۔ اگر بالفرض ہر پانچ میں سے ایک شخص آیا ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب مسلمانوں کی تعداد کم و بیش پانچ لاکھ ہو گی۔ کہاں دس بارہ آدمی، کہاں لاکھوں کی تعداد۔ ہمیں اسلام کی تاریخ میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد شاذ و نادر ہی کسی نے ارتداد کیا ہو، عہد نبوی میں ارتداد کی ایک آدھ مثال ہمیں نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد نہیں ہوئے، بلکہ وہ منافق تھے۔ منافقانہ طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اسلام کو اندر سے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ لیکن جب ان کی چلی نہیں تو بھاگ نکلے اور پھر اپنے کفر کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ غرض یہ چند خاص باتیں ہیں جو تبلیغ کے سلسلے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں کے متعلق اسلام کا برتاؤ کیا ہے مختصراً بیان کرتا ہوں۔
اس آیت سے آپ میں سے ہر شخص واقف ہو گا:

لا اکراہ فی الدین (۴)

ان علیک الا البلاغ (۵)

یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے جبر کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ پیغمبر کا فریضہ صرف ابلاغ و تبلیغ ہے، اس کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے

بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو جبر کے ساتھ کبھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔

غیر مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ

غیر مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ قرآن کریم میں یہ عجیب وغریب اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خودمختاری دی جائے حتیٰ کہ نہ صرف عبادات وہ اپنی طرز پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون، اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کریں۔ کامل داخلی خودمختاری کا قرآن کی کئی آیتوں میں ذکر ہے۔ جن میں سے ایک آیت بہت ہی واضح ہے۔

ولیحکم اهل الانجیل بما انزل الله فیه.(٦)

یعنی انجیل والوں کو چاہئے کہ اس چیز پر عمل کریں جو اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نازل کی ہے۔ ان احکام کے تحت عہد نبوی ہی میں قومی خودمختاری ساری آبادی کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے۔ اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی آزادی تھی۔

اس کے کچھ عرصے بعد ایک نیا واقعہ پیش آتا ہے۔ مسلمانوں پر جنگ فرض کی جاتی ہے اور غیر مسلم رعایا کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر مسلمان دین کی خاطر جنگ کریں تو غیر مسلموں کو اسلام کی خاطر جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ مسلمان جنگ کر کے اسلامی مملکت، ریاست اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے، جس کے باعث وہاں رہنے والی غیر مسلم رعایا امن و امان سے متمتع ہوتی ہے، جب کہ مسلمان اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سر کٹاتے ہیں۔ لہٰذا فوجی ضروریات کے تحت غیر مسلم رعایا پر ایک ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ جزیہ اسلام کی ایجاد نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے ایران اور روم میں بھی جو لوگ فوجی خدمت انجام نہیں دیتے تھے ان کو ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

چنانچہ یہ چیز اسلام میں بھی آئی، غیر مسلم رعایا بہت ہی خفیف ٹیکس دے کر، جو سال میں دس دن کی غذا کے مترادف تھا، اسلامی سلطنت کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی

خدمات سے مستفید ہوتے رہتے اور جس وقت مسلمان اپنا سر کٹاتے یہ اپنی تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے دولت کماتے۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز غیر مسلموں کے متعلق ہمیں نظر آتی ہے کہ محض دین کی بنا پر ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۲ ہجری میں جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو مکے والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں کے جو مسلمان مہاجرین متمکن ہیں ان کو نجاشی سے کسی طرح واپس حاصل کرلیں اور ان کو تکالیف دیں۔ جب اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو مورخوں نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن امیہ کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لئے حکمراں کو آمادہ کرے۔ حالانکہ عمر بن امیہ حمزی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح ہمیں اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے میں یہودی رہتے تھے۔ اگر ان کے یہاں کوئی بچہ بھی بیمار ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کی عیادت کے لئے اس کے گھر جایا کرتے۔

یہ مختلف چیزیں ہیں جو غیر مسلموں سے برتاؤ کے سلسلے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ ایک اور چیز کہ مسلمان کا ہی نہیں یہودیوں کا جنازہ بھی شہر کی گلیوں سے گزرتا اور اتفاق سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کسی جگہ بیٹھے ہوتے تو جنازے کو دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تا کہ ان کے ساتھ ایک طرح سے اپنی ہمدردی کا مظاہرہ کریں۔ غرض مسلمانوں کا طرز عمل غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس قدر رواداری کا تھا کہ اس کی نظیر ہمیں تاریخ عالم میں کم ملتی ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا، اس کی طرف اشارہ کر کے میں اسے ختم کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں خانہ جنگی ہوئی، پھر اس کے بعد بارہا خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ کسی بھی مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے زمانے میں غیر مسلم رعایا نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ وہ نہ اس فریق کا ساتھ دیتے، نہ اس فریق کا ساتھ دیتے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمان حکومت سے

غداری یا بغاوت کا خیال انہیں کبھی پیدا نہیں ہوا۔حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قیصر روم نے پیام بھیجے اور اسلامی ممالک کی عیسائی رعایا سے کہا کہ موقعہ ہے کہ تم بغاوت کرو۔ میں بھی اس وقت مسلمانوں پر حملہ کروں گا۔اور ان سے ہم نجات پا ئیں گے۔

اس ابتدائی زمانے سے لے کر کروسیڈز (صلیبی جنگوں) تک جب کبھی ایسے مطالبے کسی پوپ نے یا کسی عیسائی حکمران نے کیے،تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ ہم ان کافر حکمرانوں (مسلمانوں) کو تم جیسے ہم مذہب حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان کبھی غیر مسلموں پر اسلام لانے کے لئے جبر نہیں کرتے تھے اور ان کو مذہبی وقومی معاملات میں پوری آزادی وخودمختاری دیتے تھے،حتیٰ کہ ان کے مذہبی اداروں کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی ایک معتبر شہادت موجود ہے۔جس کی اصل دستاویز بھی آج تک محفوظ ہے۔ایک عیسائی اپنے بعض ہم مذہبوں کو جو دوسرے شہر کے تھے یہ خوش خبری پہنچاتا ہے کہ آج کل ایک نئی قوم ہماری حاکم بن گئی ہے۔لیکن وہ ہم پر ظلم نہیں کرتی،اس کے برخلاف وہ ہمارے گرجاؤں اور ہمارے Convents کی مدد کرتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورہ ۲۶، آیت ۲۱۴

۲۔ سورہ ۱۵، آیت ۹۴

۳۔ سورہ ۷۲: آیت ۱

۴۔ سورہ ۲: آیت ۲۵۶

۵۔ سورہ ۴۲: آیت ۴۸

۶۔ سورہ ۵، آیت ۴۷